Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

علامہ اقبال کی شاعری میں "خودی" کا استعماری تناظر: رِدِ ساختیات اور نفسیاتی تنقید کا مشترکہ مطالعہ

Khudi in Iqbal’s Poetry under the Shadow of Colonialism: A Combined Deconstructive and Psychoanalytic Study

Gulzar Ahmad
PhD Research Scholar, Department of Urdu, faculty of languages, My University, Japan Road Islamabad Email: gulzarahmad77981@gmail.com

Dr. Rashid Hameed
Executive Director. National Language Promotion Department' Islamabad
Email:rashid.hameed.dr@gmail.com

ABSTRACT
This study explores Allama Iqbal’s concept of “Khudi” (selfhood) within postcolonial, psychological, and intellectual frameworks. Khudi constitutes the central philosophical principle in Iqbal’s poetry, emphasizing the cultivation of inner strength, consciousness, and moral responsibility in individuals. The research employs perspectives from deconstruction and psychoanalytic criticism to analyze how Khudi functions as a dynamic and evolving system, facilitating human consciousness, self-identity, and spiritual autonomy.

The findings reveal that Khudi is not a fixed or complete concept; rather, it represents a continuous, developmental process. From a deconstructive perspective, Iqbal’s poetry destabilizes the binary oppositions and centralized authority imposed by colonial narratives. Colonial powers attempted to portray Eastern identities as inferior while naturalizing Western superiority. Khudi, however, challenges this discourse, introducing multiplicity of meanings, interpretive openness, and creative freedom. It encourages the individual to perceive themselves not as subordinate or diminished but as an active, creative, and dignified being.

From a psychoanalytic perspective, Khudi functions as a constructive and therapeutic process addressing the internal tensions between the ego, unconscious, and superego. During the colonial era, feelings of inadequacy, psychological oppression, and identity crises afflicted the colonized individual. Iqbal’s concept of Khudi provides a means to mitigate these effects, strengthening both personal psychological resilience and collective consciousness. Through Khudi, creative and moral capacities are cultivated on both individual and societal levels, fostering intellectual awakening within the community.

The intersection of deconstructive and psychoanalytic approaches highlights that Khudi is neither a final solution nor a fixed truth but a continuous inquiry and process of self-formation. It offers new interpretive possibilities for each generation of readers and promotes moral and creative autonomy. This dynamic quality renders Khudi an effective and enduring concept both in the colonial context and contemporary society.

The study also recommends integrating Iqbal’s concept of Khudi into educational curricula, workshops, seminars, and training programs. Such initiatives would allow students, researchers, and social thinkers to engage deeply with the complexity and intellectual richness of the concept. Applying Khudi in practice can enhance creative

initiative, intellectual freedom, and ethical awareness, benefiting both individual and collective spheres.
In conclusion, Allama Iqbal's concept of Khudi represents a multidimensional intellectual, psychological, and ethical framework that strengthens personal identity, creative potential, and collective consciousness. It serves as a powerful mode of resistance against colonial domination while remaining a relevant and guiding principle for contemporary individuals and societies seeking moral, intellectual, and spiritual development. Khudi thus embodies a holistic philosophy that bridges personal empowerment with collective awakening, illustrating the enduring relevance of Iqbal's thought across historical and modern contexts.

Keywords: Khudi; Selfhood; Allama Iqbal; Postcolonial Theory; Psychoanalytic Criticism; Deconstruction; Identity Formation; Colonial Discourse; Psychological Empowerment; Spiritual Autonomy

تمہید

برصغیر پاک وہند میں استعمار کا دور محض سیاسی اقتدار کی تبدیلی تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ ایک ہمہ گیر فکری، تہذیبی اور نفسیاتی تسلط کا زمانہ تھا۔ نوآبادیاتی قوتوں نے طاقت کے ساتھ ساتھ علم، زبان، تاریخ اور شناخت کے بیانیوں پر بھی غلبہ حاصل کیا، جس کے نتیجے میں محکوم اقوام میں احساسِ کمتری، ذہنی غلامی اور فکری انجماد پیدا ہوا۔ استعمار نے اپنے آپ کو "مرکز" اور مقامی تہذیب کو "حاشیہ" قرار دے کر ایسی ثنوی تقسیم (binary opposition) قائم کی جس نے محکوم فرد کی خودی کو مجروح کر دیا۔ اس پس منظر میں علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری بالخصوص تصورِ "خودی" ایک فکری مزاحمت کے طور پر سامنے آتی ہے جو استعمار کے مسلط کردہ ذہنی سانچوں کو توڑنے کی کوشش کرتی ہے۔

علامہ اقبالؒ کے نزدیک خودی محض اخلاقی یا تصوفانہ اصطلاح نہیں بلکہ ایک متحرک وجودی حقیقت ہے جو فرد کو اس کی داخلی قوت، تخلیقی صلاحیت اور مقصدِ حیات سے روشناس کراتی ہے۔ اقبال واضح طور پر اس امر کی نشان دہی کرتے ہیں کہ جب کوئی قوم اپنی خودی سے محروم ہو جائے تو وہ سیاسی آزادی کے باوجود ذہنی طور پر غلام رہتی ہے۔ اسی لیے وہ خودی کی تقویت کو فرد اور ملت دونوں کی بقا سے جوڑتے ہیں[1]۔ اقبال کی شاعری میں خودی ایک ایسے شعوری عمل کی صورت اختیار کرتی ہے جو محکوم فرد کو اس کے لاشعوری خوف، احساسِ شکست اور تابع داری سے نجات دلاتی ہے۔

---

[1]۔ محمد اقبال، اسرارِ خودی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 2006)، 15–18۔

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

ردِ ساختیات (Deconstruction) کے تناظر میں اقبال کے شعری متن کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ وہ استعمار کی قائم کردہ معنوی مرکزیت کو مسلسل غیر مستحکم کرتے ہیں۔ نو آبادیاتی نظام نے علم اور تہذیب کو اپنے مخصوص سانچے میں قید کر کے ایک حتمی معنی (fixed meaning) مسلط کیا، جب کہ اقبال کا تصورِ خودی معنی کی اس جامد ساخت کو توڑتا ہے۔ خودی کسی ایک جامد تعریف میں مقید نہیں بلکہ یہ ایک ارتقائی اور سیال تصور ہے جو ہر لمحہ نئی معنویت پیدا کرتا ہے۔ یہی وصف ردِ ساختیات کے بنیادی تصورِ "عدمِ استقرارِ معنی" سے ہم آہنگ نظر آتا ہے[2]۔

مزید برآں، استعمار نے جس طرح مشرقی اقوام کی شناخت کو مسخ کیا، اس کی نشان دہی ایڈورڈ سعید نے اپنے معروف مابعد نو آبادیاتی مطالعے میں کی ہے، جہاں وہ ثابت کرتے ہیں کہ استشراق (Orientalism) کے ذریعے مشرق کو ایک کمتر، جامد اور غیر عقلی وجود کے طور پر پیش کیا گیا[3]۔ اقبال کی شاعری اس بیانیے کی نفی کرتی ہے اور خودی کے ذریعے ایک ایسا متبادل فکری ڈھانچہ پیش کرتی ہے جو مشرقی انسان کو فعال، تخلیقی اور باوقار ہستی کے طور پر سامنے لاتا ہے۔

نفسیاتی تنقید کے زاویے سے دیکھا جائے تو اقبال کی شاعری نو آبادیاتی جبر کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اجتماعی نفسیات کا گہرا شعور رکھتی ہے۔ فرائڈ کے نظریۂ لاشعور اور بعد ازاں لاکان کے تصورِ شناخت کے مطابق فرد کی شخصیت خارجی طاقتوں سے شدید طور پر متاثر ہوتی ہے۔ استعمار نے محکوم فرد کے لاشعور میں احساسِ کمتری اور خوف کو اس طرح راسخ کیا کہ وہ خود کو فطری طور پر کمتر سمجھنے لگا۔ اقبال کی خودی اس لاشعوری جبر کے خلاف ایک شعوری بیداری ہے جو انا (Ego) کو مضبوط کر کے فرد کو نفسیاتی سطح پر بحال کرتی ہے۔ اس حوالے سے فرانز فینن کی تحلیل بھی قابلِ ذکر ہے جو نو آبادیاتی نفسیات کو ایک ذہنی بیماری قرار دیتے ہیں[4]۔

---

2 ۔ Jacques Derrida, Of Grammatology, trans. Gayatri Chakravorty Spivak (Baltimore: Johns Hopkins University Press, 1976), 6–10.

3 ۔ Edward Said, Orientalism (New York: Vintage Books, 1978), 1–3.

4 ۔Frantz Fanon, Black Skin, White Masks (New York: Grove Press, 1967), 18–22.

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

اقبال کے ہاں خودی فرد کو محض ذاتی نجات تک محدود نہیں رکھتی بلکہ اسے اجتماعی شعور سے جوڑتی ہے۔ استعمار نے فرد اور اجتماع کے درمیان ربط کو کمزور کر کے اجتماعی قوت کو منتشر کیا، جب کہ اقبال خودی کے استحکام کو ملت کے احیا سے وابستہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں خودی کا بیانیہ ایک انفرادی تجربہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اجتماعی فکری تحریک بھی بن جاتا ہے۔

اس تحقیق کا پس منظر اس امر کو بھی نمایاں کرتا ہے کہ اقبال کا تصورِ خودی آج کے عہد میں بھی غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے، جہاں شناخت کا بحران، تہذیبی احساسِ زوال اور فکری انتشار ایک عالمی مسئلہ بن چکا ہے۔ ردِ ساختیات اور نفسیاتی تنقید کے مشترکہ اطلاق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خودی نہ صرف استعمار کے ماضیاتی بیانیے کی نفی کرتی ہے بلکہ عصرِ حاضر میں بھی فکری آزادی اور نفسیاتی خود اعتمادی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس طرح اقبال کی شاعری کو ایک ایسے فکری متن کے طور پر پڑھا جا سکتا ہے جو جمالیات کے ساتھ ساتھ استعمار مخالف فکری مزاحمت کی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔[5]

مزید برآں، استعمار نے جس طرح مشرقی اقوام کی شناخت کو مسخ کیا، اس کی نشان دہی ایڈورڈ سعید نے اپنے معروف مابعد نو آبادیاتی مطالعے میں کی ہے، جہاں وہ ثابت کرتے ہیں کہ استشراق (Orientalism) کے ذریعے مشرق کو ایک کمتر، جامد اور غیر عقلی وجود کے طور پر پیش کیا گیا[3]۔ اقبال کی شاعری اس بیانیے کی نفی کرتی ہے اور خودی کے ذریعے ایک ایسا متبادل فکری ڈھانچہ پیش کرتی ہے جو مشرقی انسان کو فعال، تخلیقی اور باوقار ہستی کے طور پر سامنے لاتا ہے۔

اس تحقیق کا پس منظر اس امر کو بھی نمایاں کرتا ہے کہ اقبال کا تصورِ خودی آج کے عہد میں بھی غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے، جہاں شناخت کا بحران، تہذیبی احساسِ زوال اور فکری انتشار ایک عالمی مسئلہ بن چکا ہے۔ ردِ ساختیات اور نفسیاتی تنقید کے مشترکہ اطلاق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خودی نہ صرف استعمار کے ماضیاتی بیانیے

[5]۔ محمد اقبال، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ (لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، 2011)، 9–12۔

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

کی نفی کرتی ہے بلکہ عصرِ حاضر میں بھی فکری آزادی اور نفسیاتی خود اعتمادی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس طرح اقبال کی شاعری کو ایک ایسے فکری متن کے طور پر پڑھا جا سکتا ہے جو جمالیات کے ساتھ ساتھ استعمار مخالف فکری مزاحمت کی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

نظریاتی فریم ورک: ردِ ساختیات (Deconstruction)

ردِ ساختیات بیسویں صدی کے اواخر میں ابھرنے والا ایک اہم تنقیدی نظریہ ہے جس کی بنیاد فرانسیسی مفکر ژاک دریدا نے رکھی۔ یہ نظریہ اس مفروضے کو چیلنج کرتا ہے کہ متن میں معنی ایک مستحکم، حتمی اور مصنف کی نیت کے تابع حقیقت ہوتا ہے۔ دریدا کے نزدیک معنی ہمیشہ سیاق، تفاوت (difference) اور تاخیر (deferral) کے عمل میں تشکیل پاتا ہے، جسے وہ Différance کی اصطلاح سے واضح کرتے ہیں[6]۔ چنانچہ ردِ ساختیات متن کو ایک بند ساخت (closed structure) کے بجائے ایک کھلے اور غیر مستحکم نظام کے طور پر دیکھتی ہے۔

نوآبادیاتی تناظر میں ردِ ساختیات کی اہمیت اس لیے دوچند ہو جاتی ہے کہ استعمار نے علم، تاریخ اور تہذیب کو مخصوص ثنوی تضادات (Binary Oppositions) کے ذریعے منظم کیا، مثلاً حاکم / محکوم، مہذب / غیر مہذب، مرکز / حاشیہ۔ یہ ثنوی تقسیم بظاہر فطری معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت طاقت کے مخصوص تعلقات (power relations) کو برقرار رکھنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ ردِ ساختیات ان تضادات کو غیر مستحکم کر کے یہ دکھاتی ہے کہ جس عنصر کو "حاشیہ" سمجھا جاتا ہے، وہی دراصل معنی کی تشکیل میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے[7]۔

علامہ اقبال کی شاعری میں تصورِ "خودی" کو ردِ ساختی زاویے سے دیکھنے پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ اقبال استعمار کے قائم کردہ معنوی مرکز کو توڑتے ہیں۔ استعمار نے خودی

---

[6] ۔ Jacques Derrida, Of Grammatology, trans. Gayatri Chakravorty Spivak (Baltimore: Johns Hopkins University Press, 1976), 6–10.

[7] ۔ Jacques Derrida, Writing and Difference, trans. Alan Bass (Chicago: University of Chicago Press, 1978), 278–280.

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

کو کمزور، جامد اور تابع شناخت کے طور پر پیش کیا، جب کہ اقبال خودی کو ایک متحرک، تخلیقی اور ارتقائی عمل قرار دیتے ہیں۔ یہ خودی کسی ایک جامد تعریف کی پابند نہیں بلکہ مسلسل عمل (process) کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ اس طرح اقبال کا متن استعمار کے "مقررہ معنی (fixed meanings)" کو رد کر کے معنی کی تکثیریت (multiplicity of meanings) کو ممکن بناتا ہے۔

ردِ ساختیات کا ایک بنیادی اصول logocentrism کی نفی ہے، یعنی اس تصور کی تردید کہ کسی متن یا فکر میں کوئی واحد، حتمی اور مرکزی حقیقت موجود ہوتی ہے۔ نوآبادیاتی بیانیہ بھی دراصل لوگوسینٹرک تھا، کیونکہ اس نے مغربی علم، عقل اور تہذیب کو معیارِ حق قرار دیا۔ اقبال کی شاعری اس لوگوسینٹرک سوچ کو چیلنج کرتی ہے اور خودی کے ذریعے ایک ایسا فکری افق کھولتی ہے جہاں معنی مرکز سے آزاد ہو کر قاری کے شعور میں تشکیل پاتا ہے۔ اس اعتبار سے اقبال کا شعری متن ردِ ساختی قراءت کے لیے غیر معمولی امکانات رکھتا ہے[8]۔

مزید یہ کہ ردِ ساختیات متن اور سیاق کے باہمی تعلق پر زور دیتی ہے۔ اقبال کی شاعری کو اگر محض روحانی یا اخلاقی وعظ سمجھا جائے تو اس کی استعمار مخالف معنویت اوجھل رہتی ہے۔ ردِ ساختی مطالعہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ اقبال کے اشعار اپنے عہد کے سیاسی، تہذیبی اور نفسیاتی سیاق سے گہرا ربط رکھتے ہیں۔ خودی کا تصور دراصل اسی سیاق میں پیدا ہونے والا ایک ایسا فکری ردِ عمل ہے جو نوآبادیاتی شناخت کے بحران کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

اردو تنقید میں عموماً اقبال کے تصورِ خودی کو ایک مثبت اور تعمیراتی فکر کے طور پر دیکھا گیا ہے، تاہم ردِ ساختیات اس تصور کے اندر موجود تناؤ (tension)، تضاد اور سوالیہ پن کو بھی سامنے لاتی ہے۔ خودی کبھی مکمل اور حتمی نہیں ہوتی بلکہ مسلسل آزمائش اور تشکیلِ نو کے مراحل سے گزرتی ہے[9]۔ یہی عدمِ تکمیل (incompleteness) ردِ

[8] ۔ Terry Eagleton, Literary Theory: An Introduction (Oxford: Blackwell, 1996), 131–134.

[9] ۔Gayatri Chakravorty Spivak, "Can the Subaltern Speak?" in Marxism and the Interpretation of Culture, ed. Cary Nelson and Lawrence Grossberg (Urbana: University of Illinois Press, 1988), 271–273.

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

ساختی فکر کا بنیادی نکتہ ہے، جو اقبال کے متن کو ایک زندہ اور متحرک فکری نظام بناتا ہے۔

اس آرٹیکل کے بنیادی مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اقبال کی شاعری میں "خودی" کو کسی جامد فلسفیانہ نظریے کے بجائے ایک ایسے متنی عمل کے طور پر سمجھا جائے جو استعمار کے مسلط کردہ معنیاتی ڈھانچوں کو توڑ کر نئی فکری جہات پیدا کرتا ہے۔ اس زاویے سے اقبال کا شعری متن محض ادبی اظہار نہیں رہتا بلکہ ایک مابعد نوآبادیاتی فکری مزاحمت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

نظریاتی فریم ورک: نفسیاتی تنقید

نفسیاتی تنقید (Psychoanalytic Criticism) ادب کو محض فنی یا جمالیاتی اظہار کے طور پر نہیں بلکہ انسانی لاشعور، نفسی کشمکش اور شناخت کی تشکیل کے آئینے کے طور پر دیکھتی ہے۔ اس تنقیدی زاویے کی بنیاد سگمنڈ فرائڈ کے نظریات پر ہے، جن کے مطابق انسانی رویّے، خواہشات اور تخلیقی اظہارات کا بڑا حصہ لاشعور (Unconscious) سے جنم لیتا ہے[10]۔ بعد ازاں کارل یونگ اور ژاک لاکان نے اس نظریے کو وسعت دیتے ہوئے اجتماعی لاشعور، علامت، زبان اور شناخت کے تصورات کو مرکزی حیثیت دی۔ اقبال کی شاعری، بالخصوص تصورِ "خودی"، نفسیاتی تنقید کے لیے ایک زرخیز میدان فراہم کرتی ہے کیونکہ یہ تصور فرد کی داخلی کشمکش، خود آگاہی اور شناخت کی بازیافت سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔

نوآبادیاتی تناظر میں نفسیاتی تنقید کی اہمیت اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ استعمار صرف خارجی تسلط تک محدود نہیں رہتا بلکہ محکوم فرد کے ذہن اور لاشعور میں بھی اپنی گرفت مضبوط کر لیتا ہے۔ استعمار کے زیرِ اثر فرد رفتہ رفتہ اپنی کم تری کو فطری سمجھنے لگتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک منقسم اور مجروح شخصیت جنم لیتی ہے۔ فرانز فینن اس کیفیت کو نوآبادیاتی نفسیات (Colonial Psychology) قرار دیتے ہیں اور اسے ایک

10 -Sigmund Freud, The Ego and the Id, trans. Joan Riviere (London: Hogarth Press, 1927), 3–6.

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

ایسی ذہنی بیماری سے تعبیر کرتے ہیں جو محکوم فرد کو خود سے بیگانہ کر دیتی ہے[11]۔ اقبال کا تصورِ خودی اسی بیگانگی کے خلاف ایک نفسیاتی مزاحمت ہے۔

فرائڈ کے نظریے انا (Ego)، لاشعور اور فوق الانا (Superego) کی روشنی میں دیکھا جائے تو اقبال کی شاعری فرد کی انا کو کمزور کرنے والے عوامل کی نشان دہی کرتی ہے۔ استعمار فوق الانا کی صورت میں ایسے اخلاقی اور تہذیبی معیارات مسلط کرتا ہے جو محکوم فرد کو مسلسل احساسِ جرم اور کم تری میں مبتلا رکھتے ہیں۔ اقبال کی خودی اس مسلط شدہ فوق الانا کو چیلنج کر کے انا کو ایک تخلیقی اور خود مختار قوت کے طور پر ابھارتی ہے۔ یوں خودی کا استحکام دراصل فرد کی نفسیاتی آزادی کا استعارہ بن جاتا ہے۔

کارل یونگ کے تصورِ اجتماعی لاشعور (Collective Unconscious) کے مطابق اقوام کے تجربات، اساطیر اور تاریخی صدمات ایک مشترکہ نفسیاتی ورثے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں[12]۔ برصغیر کے مسلمان بھی استعمار کے طویل تجربے کے نتیجے میں ایک اجتماعی نفسیاتی جبر کا شکار ہوئے۔ اقبال کی شاعری اس اجتماعی لاشعور سے مخاطب ہوتی ہے اور خودی کے ذریعے ایک نئی علامتی زبان تشکیل دیتی ہے جو ماضی کے صدمات کو تخلیقی توانائی میں بدل دیتی ہے۔ شاہین، مردِ مومن اور خودی کی دیگر علامتیں دراصل اسی نفسیاتی بازیافت کی علامتیں ہیں۔

ژاک لاکان کے نظریۂ شناخت کے مطابق فرد کی شناخت زبان اور علامتی نظام کے ذریعے تشکیل پاتی ہے[13]۔ استعمار نے زبان، علم اور بیانیے کے ذریعے محکوم فرد کی

---

[11] ۔ Frantz Fanon, Black Skin, White Masks (New York: Grove Press, 1967), 18–22.

[12] ۔ Carl Gustav Jung, The Archetypes and the Collective Unconscious (Princeton: Princeton University Press, 1981), 42–45.

[13] ۔Jacques Lacan, Écrits: A Selection, trans. Alan Sheridan (New York: Norton, 1977), 1–7.

شناخت کو مسخ کیا۔ اقبال کی شاعری ایک متبادل علامتی نظام فراہم کرتی ہے جو فرد کو نئی شناخت عطا کرتا ہے۔ خودی کی زبان دراصل ایک نئی علامتی ترتیب (Symbolic Order) قائم کرتی ہے جس میں محکوم فرد خود کو فعال اور باوقار ہستی کے طور پر دیکھنے لگتا ہے۔

نفسیاتی تنقید کے تناظر میں اقبال کی خودی کو ایک شفا بخش عمل (therapeutic process) بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ تصور فرد کو اس کے خوف، احساسِ شکست اور لاشعوری غلامی سے نکال کر خود اعتمادی اور تخلیقی جرأت عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کے ہاں خودی کا تصور محض نظری بحث نہیں بلکہ ایک عملی نفسیاتی تربیت کا درجہ رکھتا ہے۔

اس تحقیق کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی واضح کرنا ہے کہ اقبال کی شاعری میں "خودی" نوآبادیاتی نفسیات کے خلاف ایک مضبوط فکری اور ذہنی ردِ عمل ہے۔ یہ زاویہ اس امر کو نمایاں کرتا ہے کہ اقبال کا شعری متن فرد اور قوم دونوں کی نفسیاتی تشکیلِ نو کا ذریعہ بنتا ہے اور استعمار کے پیدا کردہ داخلی بحران کا مؤثر علاج پیش کرتا ہے۔

استعماری تناظر اور "خودی" کی فکری تشکیل

استعمار محض سیاسی غلبے یا معاشی استحصال کا نظام نہیں تھا بلکہ ایک ہمہ گیر فکری منصوبہ تھا جس کا بنیادی مقصد محکوم اقوام کی شناخت، خود اعتمادی اور تاریخی شعور کو مسخ کرنا تھا۔ نوآبادیاتی طاقتوں نے علم، تعلیم، تاریخ اور تہذیب کے ایسے بیانیے تشکیل دیے جن کے ذریعے محکوم فرد کو یہ باور کرایا گیا کہ وہ فطری طور پر کمتر، غیر فعال اور رہنمائی کا محتاج ہے۔ اس فکری جبر کے نتیجے میں جو ذہنی کیفیت پیدا ہوئی، اسے مابعد نوآبادیاتی مطالعات میں colonial mentality یا internalized oppression کہا

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

جاتا ہے[14]۔ علامہ اقبالؒ کا تصورِ "خودی" اسی ذہنی غلامی کے خلاف ایک منظم فکری ردِعمل کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

برصغیر کے مسلمان، جو ایک وقت میں سیاسی و تہذیبی اقتدار کے حامل تھے، استعمار کے دور میں شدید شناختی بحران کا شکار ہوئے۔ مغربی تعلیمی نظام اور استشراقی فکر نے اسلامی تہذیب کو ماضی پرست، غیر سائنسی اور جمود کا شکار ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ایڈورڈ سعید کے مطابق استعمار نے "دوسرے (the Other)" کی ایسی تصویر تشکیل دی جو مغربی برتری کے تصور کو مضبوط کرتی تھی[15]۔ اقبال کی شاعری اس بیانیے کو قبول کرنے کے بجائے اس کی فکری بنیادوں کو چیلنج کرتی ہے اور خودی کے ذریعے ایک متبادل تصورِ انسان پیش کرتی ہے۔

اقبال کے ہاں خودی کی فکری تشکیل کا بنیادی مقصد محکوم فرد کو احساسِ کمتری سے نکال کر خود آگاہی اور خود اعتمادی کی طرف لے جانا ہے۔ وہ غلامی کو محض خارجی حالت نہیں بلکہ ایک باطنی کیفیت سمجھتے ہیں جو انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتی ہے۔ اسی لیے اقبال کی شاعری میں بار بار اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ حقیقی آزادی کا آغاز ذہنی اور فکری آزادی سے ہوتا ہے[3]۔ خودی دراصل اسی ذہنی آزادی کا نام ہے جو فرد کو استعمار کے مسلط کردہ تصورات سے نجات دلاتی ہے۔

استعماری تناظر میں خودی کی ایک اہم جہت یہ ہے کہ یہ تصور استعمار کے قائم کردہ ثنوی تضادات کو رد کرتا ہے۔ استعمار نے طاقتور/کمزور، مہذب/غیر مہذب اور حاکم/محکوم جیسے تضادات کو فطری بنا کر پیش کیا، جب کہ اقبال

---

[14] ۔ Ashis Nandy, The Intimate Enemy: Loss and Recovery of Self under Colonialism (Delhi: Oxford University Press, 1983), 3–5.

[15] ۔ Edward Said, Orientalism (New York: Vintage Books, 1978), 7–9.

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

ان تقسیمات کو مصنوعی اور تاریخی قرار دیتے ہیں۔ خودی کا تصور انسان کو اس کی داخلی قوت سے روشناس کرا کے ان ثنوی ساختوں کو غیر مؤثر بنا دیتا ہے۔ اس طرح خودی ایک ایسا فکری عمل بن جاتی ہے جو استعمار کی معنوی ساخت کو اندر سے توڑ دیتا ہے۔

مزید بر آں، اقبال کی خودی محض فردی سطح تک محدود نہیں بلکہ اجتماعی سطح پر بھی اپنا اثر دکھاتی ہے۔ استعمار نے اجتماعی شعور کو منتشر کر کے قوموں کو کمزور کیا، جب کہ اقبال خودی کو ملت کے شعور سے جوڑتے ہیں۔ ان کے نزدیک مضبوط فرد ہی مضبوط ملت کی بنیاد بنتا ہے۔ اس زاویے سے خودی ایک سیاسی اور سماجی تصور بھی بن جاتی ہے جو استعمار کے خلاف اجتماعی مزاحمت کی فکری اساس فراہم کرتی ہے[16]۔

فرانز فینن کے مطابق نوآبادیاتی نظام محکوم اقوام کو اپنے ماضی سے کاٹ کر ایک بے جڑ حال میں قید کر دیتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک مسلسل احساسِ زوال پیدا ہوتا ہے[17]۔ اقبال کی خودی اس کٹے ہوئے تاریخی ربط کو بحال کرتی ہے اور فرد کو اس کے ماضی، حال اور مستقبل سے جوڑتی ہے۔ اقبال تاریخ کو محض یادداشت نہیں بلکہ ایک زندہ قوت سمجھتے ہیں جو خودی کو سمت اور مقصد فراہم کرتی ہے۔

چنانچہ استعماری تناظر میں "خودی" کی فکری تشکیل کو ایک جامع مزاحمتی منصوبے کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ تصور استعمار کے نفسیاتی، تہذیبی اور فکری تسلط کے خلاف ایک متبادل انسانی ماڈل پیش کرتا ہے جس میں فرد خود کو تابع نہیں بلکہ خالق، ذمہ دار اور باوقار ہستی کے طور پر پہچانتا ہے۔ اسی لیے اقبال کی شاعری کو مابعد

[16]۔ محمد اقبال، رموزِ بے خودی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 2006)، 21–24۔

[17] ۔Frantz Fanon, The Wretched of the Earth, trans. Constance Farrington (New York: Grove Press, 1963), 148–150.

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

نوآبادیاتی فکر کے تناظر میں ایک طاقت ور فکری دستاویز قرار دیا جا سکتا ہے، جہاں خودی استعمار کے خلاف فکری آزادی کا استعارہ بن جاتی ہے۔

ردِ ساختیات کی روشنی میں تصورِ "خودی"

ردِ ساختیات کے تناظر میں جب علامہ اقبال کے تصورِ "خودی" کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خودی کوئی جامد، مکمل یا حتمی تصور نہیں بلکہ ایک مسلسل تشکیل پانے والا فکری عمل ہے۔ ژاک دریدا کے مطابق کسی بھی متن میں معنی ہمیشہ عدمِ استقرار (instability) کا شکار رہتا ہے اور وہ مختلف سیاق و سباق میں نئی تعبیرات پیدا کرتا ہے[18]۔ اقبال کی شاعری میں خودی بھی اسی نوعیت کی ایک متحرک حقیقت ہے جو ہر قرأت میں نئے مفاہیم کو جنم دیتی ہے۔ یہ وصف خودی کو ایک بند فلسفیانہ نظریے کے بجائے ایک کھلے فکری نظام میں تبدیل کر دیتا ہے۔

استعماری بیانیہ خودی کو کمزور، تابع اور غیر فعال شناخت کے طور پر متعین کرتا ہے، جب کہ اقبال کی شاعری اس معنیاتی تعین (fixation of meaning) کو رد کرتی ہے۔ ردِ ساختیات کے مطابق طاقتور بیانیے ثنوی تضادات (Binary Oppositions) کے ذریعے اپنے معنی کو مستحکم کرتے ہیں، جیسے مرکز/حاشیہ اور حاکم/محکوم[19]۔ اقبال کا تصورِ خودی ان تضادات کو غیر مؤثر بنا دیتا ہے، کیونکہ خودی نہ تو محض محکوم ہے اور نہ ہی حاکم، بلکہ ایک ایسی قوت ہے جو اپنی معنویت خود تخلیق کرتی ہے۔

[18] ۔ Jacques Derrida, Of Grammatology, trans. Gayatri Chakravorty Spivak (Baltimore: Johns Hopkins University Press, 1976), 62–65.

[19] ۔ Terry Eagleton, Literary Theory: An Introduction (Oxford: Blackwell, 1996), 132–134.

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

ردِ ساختی زاویے سے دیکھا جائے تو خودی کی اصل قوت اس کی غیر مرکزیت (decentering) میں مضمر ہے۔ اقبال کسی ایک خارجی مرکز—جیسے نسل، جغرافیہ یا سیاسی طاقت—کو انسان کی شناخت کا واحد سرچشمہ قرار نہیں دیتے۔ خودی کی تشکیل داخلی شعور، اخلاقی ذمہ داری اور تخلیقی عمل کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس طرح اقبال استعمار کے اس تصور کو توڑتے ہیں جس کے مطابق شناخت ہمیشہ مرکز کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ یہ غیر مرکزیت دریدا کے تصورِ decentering سے گہری مماثلت رکھتی ہے۔[20]

مزید یہ کہ ردِ ساختیات متن میں موجود تضادات، خاموشیوں اور ابہامات کو معنی خیز سمجھتی ہے۔ اقبال کی شاعری میں بھی خودی بظاہر یقین، قوت اور استحکام کا استعارہ ہے، مگر گہرے مطالعے سے اس میں اضطراب، آزمائش اور خطرے کے عناصر بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ خودی کو برقرار رکھنے کے لیے مسلسل جدوجہد ضروری ہے، جو اس تصور کی عدمِ تکمیل (incompleteness) کو ظاہر کرتی ہے۔ یہی عدمِ تکمیل خودی کو ایک زندہ فکری عمل بناتی ہے نہ کہ ایک مکمل شدہ نظریہ۔

ردِ ساختیات کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ معنی ہمیشہ متن اور قاری کے تعامل سے پیدا ہوتا ہے۔ اقبال کی شاعری میں خودی کا تصور بھی ہر دور کے قاری کے لیے نئی معنویت اختیار کرتا ہے۔ استعمار کے عہد میں یہ تصور غلامی کے خلاف فکری بغاوت تھا، جب کہ عصرِ حاضر میں یہ شناخت کے بحران اور فکری انتشار

[20] ۔ Jacques Derrida, Writing and Difference, trans. Alan Bass (Chicago: University of Chicago Press, 1978), 278–280.

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

کے خلاف ایک معنوی سہارا بن سکتا ہے۔ اس طرح خودی کی معنویت کسی ایک تاریخی لمحے تک محدود نہیں رہتی بلکہ مسلسل نئی تعبیرات پیدا کرتی رہتی ہے[21]۔

اردو تنقید میں اکثر اقبال کے تصورِ خودی کو ایک مثبت اور ہم آہنگ فلسفے کے طور پر پیش کیا گیا ہے، مگر ردِ ساختی مطالعہ اس تصور کے اندر موجود تناؤ (tension) اور سوالیہ پن کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ خودی کبھی مکمل سکون کی حالت نہیں بلکہ ایک مسلسل خطرہ مول لینے والا عمل ہے۔ یہی پہلو اقبال کے تصور کو رومانوی سادگی سے نکال کر ایک پیچیدہ فکری ساخت میں تبدیل کرتا ہے۔

چنانچہ ردِ ساختیات کی روشنی میں "خودی" کو ایک ایسے فکری متن کے طور پر پڑھا جا سکتا ہے جو استعمار کے قائم کردہ معنیاتی نظام کو غیر مستحکم کرتا ہے اور قاری کو نئے فکری امکانات کی طرف لے جاتا ہے۔ اس زاویے سے اقبال کی شاعری محض استعمار مخالف بیانیہ نہیں بلکہ معنی کی آزادی اور فکری خود مختاری کی علامت بن جاتی ہے۔ خودی یہاں ایک حتمی جواب نہیں بلکہ ایک مسلسل سوال ہے، اور یہی اس کی سب سے بڑی فکری طاقت ہے۔

نفسیاتی تنقید کی روشنی میں "خودی" کا مطالعہ

نفسیاتی تنقید کے زاویے سے علامہ اقبال کے تصورِ "خودی" کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ یہ تصور محض فکری یا اخلاقی تربیت تک محدود نہیں بلکہ انسانی نفس کی گہری ساخت، لاشعوری محرکات اور شناختی بحران کے علاج سے براہِ راست متعلق ہے۔ سگمنڈ فرائڈ کے مطابق انسانی شخصیت کی تشکیل لاشعور، انا (Ego) اور فوق الانا (Superego)

[21] ۔ Jonathan Culler, On Deconstruction: Theory and Criticism after Structuralism (Ithaca: Cornell University Press, 1982), 85–88.

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

کے باہمی تصادم کے نتیجے میں ہوتی ہے[22]۔ استعمار کے عہد میں محکوم فرد کی انا مسلسل دباؤ کا شکار رہی، جس کے نتیجے میں خود اعتمادی کمزور اور شخصیت منقسم ہو گئی۔ اقبال کا تصورِ خودی اسی منقسم انا کی ازسرِ نو تشکیل کا عمل بن جاتا ہے۔

نوآبادیاتی نظام نے فوق الانا کی صورت میں ایسے اخلاقی اور تہذیبی معیارات مسلط کیے جو محکوم فرد کو مستقل احساسِ جرم اور کم تری میں مبتلا رکھتے تھے۔ مغربی تہذیب کو معیارِ کمال قرار دے کر مقامی شناخت کو کمتر ثابت کیا گیا، جس کے نتیجے میں فرد کا لاشعور خود نفی (self-negation) کا شکار ہو گیا۔ اقبال کی شاعری میں خودی اس مسلط شدہ فوق الانا کے خلاف ایک نفسیاتی بغاوت کی صورت اختیار کرتی ہے، جو فرد کو یہ شعور دیتی ہے کہ اس کی قدر اور معنویت خارجی طاقت کے بجائے اس کے باطن سے جنم لیتی ہے۔

کارل گوستاو یونگ کے نظریۂ اجتماعی لاشعور کے مطابق اقوام کے تاریخی تجربات، صدمات اور امیدیں ایک مشترکہ نفسیاتی ذخیرے کی صورت اختیار کر لیتی ہیں[23]۔ برصغیر کے مسلمان طویل استعماری تسلط کے باعث ایک اجتماعی نفسیاتی جبر کا شکار ہو چکے تھے، جہاں احساسِ زوال اور شکست اجتماعی لاشعور کا حصہ بن گیا تھا۔ اقبال کی شاعری اسی اجتماعی لاشعور سے مخاطب ہوتی ہے اور خودی کے ذریعے ایک نئی علامتی زبان تشکیل دیتی ہے۔ شاہین، مردِ مومن اور فقر جیسی علامتیں دراصل اسی اجتماعی نفسیات کی تطہیر اور تعمیرِ نو کا ذریعہ بنتی ہیں۔

[22] ۔Sigmund Freud, The Ego and the Id, trans. Joan Riviere (London: Hogarth Press, 1927), 10–14.

[23] ۔Carl Gustav Jung, The Archetypes and the Collective Unconscious (Princeton: Princeton University Press, 1981), 42–46.

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

ژاک لاکان کے مطابق انسانی شناخت زبان اور علامتی نظام (Symbolic Order) کے ذریعے تشکیل پاتی ہے[24]۔ استعمار نے زبان، تعلیم اور علمی بیانیے کے ذریعے محکوم فرد کی شناخت کو اس طرح تشکیل دیا کہ وہ خود کو "کمتر" اور "تابع" سمجھے۔ اقبال کی شاعری ایک متبادل علامتی نظام فراہم کرتی ہے، جہاں خودی مرکزی علامت کے طور پر ابھرتی ہے۔ یہ علامتی نظام فرد کو نئی شناخت عطا کرتا ہے، جس میں وہ خود کو ایک فعال، ذمہ دار اور باوقار ہستی کے طور پر پہچانتا ہے۔

نفسیاتی تنقید کے تناظر میں خودی کو ایک شفا بخش عمل (therapeutic process) بھی کہا جا سکتا ہے۔ فرانز فینن کے مطابق نوآبادیاتی جبر محکوم فرد کو نفسیاتی بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے، جس کا علاج محض سیاسی آزادی نہیں بلکہ ذہنی آزادی بھی ہے[25]۔ اقبال کی خودی اسی ذہنی آزادی کا استعارہ بن جاتی ہے، جو فرد کو لاشعوری خوف، احساسِ شکست اور غلامانہ ذہنیت سے نکال کر تخلیقی خوداعتمادی کی طرف لے جاتی ہے۔

اقبال کے ہاں خودی کی نفسیاتی تشکیل ایک مسلسل جدوجہد کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ تصور کسی فوری یا آسان نفسیاتی سکون کا وعدہ نہیں کرتا بلکہ فرد کو مسلسل آزمائش، ضبط اور خود احتسابی کے مراحل سے گزار کر مضبوط شخصیت کی طرف لے جاتا ہے۔ اس پہلو سے خودی نفسیاتی ارتقا (psychological growth) کا ایک تدریجی عمل بن جاتی ہے، جو فرد کو اندرونی تضادات کے ساتھ جینا اور انہیں تخلیقی قوت میں بدلنا سکھاتی ہے۔

چنانچہ نفسیاتی تنقید کی روشنی میں "خودی" کو ایک ایسے فکری و نفسیاتی نظام کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے جو نوآبادیاتی نفسیات کے پیدا کردہ داخلی بحران کا مؤثر علاج پیش کرتا ہے۔ اقبال کی شاعری فرد اور قوم دونوں کی نفسیاتی بازیافت کا ذریعہ بنتی ہے اور ایک

---

[24] ۔Jacques Lacan, Écrits: A Selection, trans. Alan Sheridan (New York: W. W. Norton, 1977), 30–34.

[25] ۔Frantz Fanon, Black Skin, White Masks (New York: Grove Press, 1967), 200–205.

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

ایسی خود مختار شناخت تشکیل دیتی ہے جو استعمار کے ذہنی تسلط کو اندر سے توڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ردِ ساختیات اور نفسیاتی تنقید کا تقاطعی اطلاق: تصورِ خودی کی نو آبادیاتی معنویت

علامہ اقبال کے تصورِ "خودی" کو اگر محض کسی ایک تنقیدی زاویے سے دیکھا جائے تو اس کی فکری گہرائی مکمل طور پر واضح نہیں ہو پاتی۔ ردِ ساختیات اور نفسیاتی تنقید کا تقاطعی (intersecting) اطلاق اس تصور کو ایک ایسے ہمہ جہتی فکری نظام کے طور پر سامنے لاتا ہے جو معنی کی تحلیل (deconstruction) اور نفس کی تعمیرِ نو (psychological reconstruction) دونوں کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ استعمار نے جہاں بیانیاتی سطح پر محکوم اقوام کی شناخت کو متعین کیا، وہیں نفسیاتی سطح پر بھی ان کی خودی کو مجروح کیا۔ اقبال کی شاعری ان دونوں سطحوں پر بیک وقت مزاحمت کرتی ہے۔

ردِ ساختیات کے مطابق کوئی بھی متن حتمی یا واحد معنی نہیں رکھتا بلکہ معنی ہمیشہ سیاق، طاقت اور زبان کے نظام سے مشروط ہوتے ہیں[26]۔ استعمار نے "ترقی/پسماندگی"، "مہذب/غیر مہذب" اور "حاکم/محکوم" جیسے ثنوی تضادات (binary oppositions) قائم کر کے اپنے غلبے کو فطری اور ناگزیر ثابت کیا۔ اقبال کا تصورِ خودی ان ثنوی تضادات کو غیر مستحکم کرتا ہے، کیونکہ خودی نہ تو مغربی مرکزیت کو قبول کرتی ہے اور نہ ہی محکومی کو تقدیر سمجھتی ہے۔ یوں خودی ایک ایسا متن بن جاتی ہے جو استعماری معنیاتی نظام کو اندر سے توڑ دیتی ہے۔

[26] Jacques Derrida, Of Grammatology, trans. Gayatri Chakravorty Spivak (Baltimore: Johns Hopkins University Press, 1976), 44–49.

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

نفسیاتی تنقید اس ردِ ساختی عمل کو انسانی باطن سے جوڑتی ہے۔ لاکان کے مطابق محکوم فرد کی شناخت "دوسرے (Other)" کی نظر سے تشکیل پاتی ہے[27]۔ نوآبادیاتی صورتِ حال میں یہ "دوسرا" استعمار ہوتا ہے، جو محکوم فرد کو اپنے آئینے میں کمتر دکھاتا ہے۔ اقبال کی خودی اس نفسیاتی آئینے کو توڑنے کا عمل ہے۔ یہ فرد کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اپنی شناخت کی تشکیل استعمار کی نظر سے نہیں بلکہ اپنے باطنی شعور اور ایمانی یقین سے کرے۔

ردِ ساختیات اور نفسیاتی تنقید کا یہ تقاطع خودی کو ایک متحرک (dynamic) تصور بناتا ہے۔ خودی کسی جامد جوہر کا نام نہیں بلکہ مسلسل تشکیل پانے والا عمل ہے۔ یہی پہلو اسے استعماری بیانیے کے خلاف مؤثر بناتا ہے، کیونکہ استعمار جامد شناختوں کو فروغ دیتا ہے تاکہ محکوم فرد اپنی حالت کو تبدیل نا کر سکے۔ اقبال کی خودی اس جمود کو رد کرتی ہے اور فرد کو "ہونے (becoming)" کے عمل میں داخل کرتی ہے۔

فرانز فینن کے مطابق نوآبادیاتی نظام محکوم اقوام کو نفسیاتی طور پر منقسم کر دیتا ہے، جہاں وہ بیک وقت اپنی ثقافت سے نفرت اور غالب تہذیب کی تقلید میں مبتلا ہو جاتی ہیں[28]۔ اقبال کا تصورِ خودی اس نفسیاتی تقسیم کا علاج پیش کرتا ہے۔ ردِ ساختی سطح پر یہ استعماری ثقافتی برتری کے دعوے کو توڑتا ہے، اور نفسیاتی سطح پر فرد کو اپنی اصل تہذیبی اور روحانی بنیادوں سے دوبارہ جوڑ دیتا ہے۔

اس تقاطعی تنقیدی مطالعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ خودی محض انفرادی اصلاح کا تصور نہیں بلکہ ایک اجتماعی بیانیہ بھی ہے۔ ردِ ساختیات کے مطابق معنی ہمیشہ اجتماعی طور

---

[27] -Jacques Lacan, The Four Fundamental Concepts of Psychoanalysis, trans. Alan Sheridan (New York: W. W. Norton, 1981), 235–240.

[28] - Frantz Fanon, The Wretched of the Earth, trans. Constance Farrington (New York: Grove Press, 1963), 210–215.

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

پر تشکیل پاتے ہیں، اور نفسیاتی تنقید کے مطابق اجتماعی لاشعور فرد کی شخصیت پر گہرا اثر ڈالتا ہے[29]۔ اقبال کی خودی فرد کے ذریعے ملت کی نفسیاتی بیداری کا ذریعہ بنتی ہے، جہاں انفرادی شعور اجتماعی خود آگہی میں ڈھل جاتا ہے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ ردِ ساختیات اور نفسیاتی تنقید کا مشترکہ اطلاق اقبال کے تصورِ خودی کو ایک ہمہ گیر مابعد نوآبادیاتی نظریہ بنا دیتا ہے۔ یہ تصور نہ صرف استعماری متن کی معنوی ساخت کو تحلیل کرتا ہے بلکہ محکوم ذہن کی نفسیاتی تشکیلِ نو بھی کرتا ہے۔ اسی دوہری قوت کی بنا پر خودی اقبال کے فکری نظام میں محض شاعرانہ استعارہ نہیں بلکہ فکری مزاحمت اور نفسیاتی آزادی کا مکمل منصوبہ بن جاتی ہے۔

نتائج، مباحث اور فکری مضمرات

اس تحقیق کے تجزیے سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے تصورِ "خودی" کی فکری اور نفسیاتی اہمیت نہ صرف انفرادی سطح پر بلکہ اجتماعی سطح پر بھی گہری ہے۔ ردِ ساختیات اور نفسیاتی تنقید کے تقاطعی مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ خودی ایک متحرک، ارتقائی اور باطنی قوت ہے جو انسانی شعور کو داخلی و خارجی جبر سے آزاد کر کے تخلیقی اور اخلاقی توانائی کی طرف لے جاتی ہے۔

ردِ ساختیات کے نظریے کے تناظر میں اقبال کی شاعری نے استعماری بیانیے کے معنیاتی تسلط کو غیر مستحکم کیا۔ استعمار نے جہاں متن اور زبان کے ذریعے مشرقی شناخت کو کمزور کرنے کی کوشش کی، وہاں اقبال نے خودی کے تصور کے ذریعے اس بیانیے کی بنیادیں ہلا دی۔ خودی کا فکری ارتقا ثابت کرتا ہے کہ اقبال کی شاعری محض جمالیاتی اظہار نہیں بلکہ ایک فکری مزاحمت کا منصوبہ ہے، جو معنی کی آزادی اور شناخت کی تخلیق کا موقع فراہم کرتا ہے۔

---

[29] ۔ Carl Gustav Jung, The Archetypes and the Collective Unconscious (Princeton: Princeton University Press, 1981), 87–92. ۔

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

نفسیاتی تنقید کے زاویے سے دیکھا جائے تو خودی محض شعوری عمل نہیں بلکہ ایک نفسیاتی بازیافت بھی ہے۔ نوآبادیاتی تجربے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے احساسِ کمتری، ذہنی انتشار اور اجتماعی لاشعور کی خرابی کو خودی کے ذریعے دور کیا جا سکتا ہے۔ اقبال نے خودی کو ایک علامتی، عملی اور تخلیقی قوت کے طور پر پیش کیا، جو فرد کی انا کو مستحکم کرتی ہے اور اجتماعی شعور کو بھی باخبر اور فعال بناتی ہے۔

ردِ ساختیات اور نفسیاتی تنقید کے مشترکہ اطلاق نے یہ بھی ظاہر کیا کہ خودی کا تصور کسی ایک معنویت یا حل تک محدود نہیں بلکہ ایک مسلسل سوال اور تشکیلِ نو کا عمل ہے۔ یہی خصوصیت اسے نوآبادیاتی تناظر میں انتہائی مؤثر بناتی ہے، کیونکہ استعمار کی معنوی اور نفسیاتی حکمرانی کی بنیادیں اسی عدمِ استقرار اور شعوری بیداری سے ٹوٹتی ہیں۔

مزید برآں، اس تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اقبال کی شاعری نہ صرف ماضی کے نوآبادیاتی تجربے کے خلاف ایک مزاحمتی متن ہے بلکہ موجودہ دور میں بھی طلبہ، فکری کارکنان اور معاشرتی رہنماؤں کے لیے ایک فکری اور نفسیاتی رہنما کے طور پر کام کر سکتی ہے۔ خودی کے تصور کی عملی اطلاقیت سے فرد میں تخلیقی جرأت، فکری آزادی اور اخلاقی ذمہ داری پیدا کی جا سکتی ہے، جو کسی بھی سماجی یا تہذیبی بحران میں طاقتور کردار ادا کر سکتی ہے۔

اس مطالعے کے فکری مضمرات میں سب سے اہم یہ ہے کہ علامہ اقبال کا تصورِ خودی فرد اور ملت دونوں کی بقاء سے مربوط ہے۔ اس تصور کو ردِ ساختیات اور نفسیاتی تنقید کے زاویے سے پڑھنا اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ اقبال نے شعری تخلیق کو ایک وسیع فکری نظام میں بدل دیا، جہاں جمالیات، نفسیات اور سماجی شعور کا امتزاج ایک مکمل نظریاتی فریم ورک فراہم کرتا ہے۔

چنانچہ نتیجہ یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ خودی ایک ایسا تصور ہے جو استعمار کے فکری اور نفسیاتی جبر کے خلاف بیک وقت مؤثر ہے، اور یہ معاصر دور کے طلبہ، ادیبوں اور مفکرین کے لیے بھی رہنمائی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اقبال کی شاعری کو اس زاویے سے

پڑھنا ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ انسانی شعور، تخلیقی قوت اور اخلاقی ذمہ داری کس طرح یکجا ہو کر فرد اور اجتماعی سطح پر ترقی اور خود مختاری کے اصول قائم کر سکتی ہے۔

سفارشات

1. اس تحقیق کے نتائج سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کا تصورِ "خودی" نہ صرف ایک فردی یا اخلاقی اصول ہے بلکہ ایک جامع فکری نظام کے طور پر نو آبادیاتی، نفسیاتی اور معنوی مسائل کا حل فراہم کرتا ہے۔ خودی کا تصور انسانی شعور، تخلیقی صلاحیت اور اخلاقی ذمہ داری کو یکجا کرتا ہے اور فرد کو ذہنی، نفسیاتی اور فکری آزادی عطا کرتا ہے۔ اقبال کی شاعری اس تناظر میں محض ادبی اظہار نہیں بلکہ ایک متحرک اور جامع مزاحمتی منصوبہ ہے، جو استعماری بیانیہ اور نفسیاتی غلامی دونوں کے خلاف مؤثر ہے۔
2. ردِ ساختیات اور نفسیاتی تنقید کے زاویے سے دیکھا جائے تو خودی ایک مسلسل سوال اور تشکیلِ نو کا عمل ہے۔ یہ کسی ایک حتمی معنی یا حل تک محدود نہیں بلکہ ہر دور کے قاری کے لیے نئ تعبیرات پیدا کرتی ہے۔ اسی بنا پر خودی کو معاصر طلبہ، ادیبوں اور معاشرتی مفکرین کے لیے ایک رہنما تصور کے طور پر بھی پڑھا جا سکتا ہے، جو فکری آزادی، خود اعتمادی اور تخلیقی جرأت کو فروغ دیتا ہے۔
3. سفارشات کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اقبال کے تصورِ خودی کو تعلیمی نصاب میں شامل کیا جائے تاکہ طلبہ کی فکری اور نفسیاتی تربیت میں اضافہ ہو۔ اس کے علاوہ علمی و ادبی محافل میں خودی کے مطالعے کو ردِ ساختیات اور نفسیاتی تنقید کے تناظر میں فروغ دیا جائے تاکہ طلبہ اور محققین اس تصور کی پیچیدگی اور معنوی گہرائی سے آگاہ ہوں۔

4. مزید برآں، خودی کے تصور کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کے لیے ورکشاپس، سیمینارز اور تربیتی پروگرامز ترتیب دیے جا سکتے ہیں، تاکہ افراد اپنی تخلیقی، اخلاقی اور نفسیاتی صلاحیتوں کو بہتر طریقے سے سمجھیں اور معاشرتی بیداری میں حصہ ڈالیں۔ اس کے ذریعے نہ صرف فرد کی ترقی ممکن ہو سکتی ہے بلکہ اجتماعی سطح پر بھی شعور اور خوداعتمادی کی بحالی ممکن ہو سکتی ہے۔

5. آخر میں، یہ کہا جا سکتا ہے کہ علامہ اقبال کا تصورِ خودی محض ایک ادبی یا نظریاتی شے نہیں بلکہ ایک عملی اور فکری رہنما نظام ہے، جو ہر دور میں فرد اور معاشرہ دونوں کے لیے روشنی اور رہنمائی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہ تصور فکری آزادی، نفسیاتی مضبوطی اور معنوی ارتقا کے لیے آج بھی اتنا ہی اہم اور قابلِ غور ہے جتنا کہ اقبال کے زمانے میں تھا۔

اختتامیہ

اس تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کا تصورِ "خودی" ایک جامع فکری، اخلاقی اور نفسیاتی نظام کے طور پر فرد اور اجتماعی شعور دونوں کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ خودی محض ایک ادبی یا نظریاتی خیال نہیں بلکہ ایک ایسا متحرک اور ارتقائی عمل ہے جو انسانی شعور، تخلیقی صلاحیت اور اخلاقی ذمہ داری کو یکجا کرتا ہے۔ یہ تصور فرد کو داخلی اور خارجی دباؤ سے آزاد کر کے اس کی نفسیاتی بازیافت اور فکری آزادی ممکن بناتا ہے۔

ردِ ساختیات کے زاویے سے دیکھا جائے تو خودی نے نوآبادیاتی بیانیے کے ذریعے قائم کیے گئے ثنوی تضادات اور مرکزیت کے تسلط کو غیر مستحکم کیا ہے۔ استعمار نے متن، زبان اور تاریخ کے ذریعے مشرقی شناخت کو کمزور اور مغربی برتری کو فطری ثابت کرنے کی کوشش کی، مگر اقبال کی شاعری میں خودی اس بیانیے کو چیلنج کرتی ہے اور معنی کی

Dialogue Social Science Review (DSSR)
www.thedssr.com

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

DIALOGUE SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

کثیر جہتی، عدمِ استقرار اور تخلیقی آزادی کے امکانات فراہم کرتی ہے۔ خودی فرد کو محض تابع یا کمتر نہیں بلکہ ایک فعال، باوقار اور تخلیقی ہستی کے طور پر پہچاننے کی دعوت دیتی ہے۔

نفسیاتی تنقید کے زاویے سے مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ خودی انسان کے انا، لاشعور اور فوق الانا کی داخلی کشمکش کے لیے ایک تعمیری اور شفا بخش عمل ہے۔ نو آبادیاتی دور میں پیدا ہونے والے احساسِ کمتری، ذہنی انتشار اور شناختی بحران کو خودی کے ذریعے دور کیا جا سکتا ہے۔ اقبال کی شاعری فرد کی نفسیاتی مضبوطی کے ساتھ اجتماعی شعور کو بھی متحرک کرتی ہے۔ خودی انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر تخلیقی اور اخلاقی قوت پیدا کرتی ہے، اور امت کے شعور میں فکری بیداری پیدا کرتی ہے۔

ردِ ساختیات اور نفسیاتی تنقید کے مشترکہ زاویے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ خودی کوئی ایک حتمی یا مکمل حل نہیں بلکہ ایک مسلسل سوال اور تشکیلِ نو کا عمل ہے۔ ہر دور کے قاری کے لیے یہ نئے معنوی امکانات پیدا کرتی ہے اور انسانی شعور میں تخلیقی و اخلاقی آزادی کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ یہی خصوصیت خودی کو نو آبادیاتی اور معاصر دونوں دور کے لیے انتہائی مؤثر اور رہنما تصور بناتی ہے۔

سفارشات میں یہ تجویز دی جاتی ہے کہ اقبال کے تصورِ خودی کو تعلیمی نصاب، ورکشاپس، سیمینارز اور تربیتی پروگرامز میں شامل کیا جائے تاکہ طلبہ، محققین اور معاشرتی مفکرین اس تصور کی پیچیدگی اور معنوی گہرائی سے مستفید ہوں۔ خودی کی عملی اطلاقیت طلبہ اور افراد میں تخلیقی جرأت، فکری آزادی اور اخلاقی شعور پیدا کر سکتی ہے، جو فرد اور اجتماعی شعور دونوں کے لیے مفید ہے۔

خلاصے کے طور پر یہ ہے کہ علامہ اقبال کا تصورِ خودی ایک عملی، فکری اور نفسیاتی رہنما نظام ہے جو فرد کی شناخت، تخلیقی صلاحیت اور اخلاقی ذمہ داری کو مضبوط

ISSN Online: 3007-3154
ISSN Print: 3007-3146

Vol. 4 No. 2 (February) (2026)

کرتا ہے، اور اجتماعی سطح پر امت کی فکری بیداری، نفسیاتی مضبوطی اور معنوی ترقی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ خودی کی ہمہ جہتی خصوصیات اس بات کا مظہر ہیں کہ اقبال کی شاعری نہ صرف ماضی بلکہ موجودہ دور کے لیے بھی ایک طاقت ور فکری اور نفسیاتی رہنما نظام فراہم کرتی ہے۔

حوالہ جات:

1. محمد اقبال، اسرارِ خودی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 2006)، 15–18۔
2. محمد اقبال، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ (لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، 2011)، 9–12۔
3. محمد اقبال، رموزِ بے خودی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 2006)، 21–24۔

Jacques Derrida, Of Grammatology, trans. Gayatri Chakravorty Spivak (Baltimore: Johns Hopkins University Press, 1976), 6–10.

Jacques Derrida, Of Grammatology, trans. Gayatri Chakravorty Spivak (Baltimore: Johns Hopkins University Press, 1976), 44–49.

Jacques Derrida, Of Grammatology, trans. Gayatri Chakravorty Spivak (Baltimore: Johns Hopkins University Press, 1976), 62–65.

Jacques Derrida, Writing and Difference, trans. Alan Bass (Chicago: University of Chicago Press, 1978), 278–280.

Terry Eagleton, Literary Theory: An Introduction (Oxford: Blackwell, 1996), 131–134.

Terry Eagleton, Literary Theory: An Introduction (Oxford: Blackwell, 1996), 132–134.

Gayatri Chakravorty Spivak, "Can the Subaltern Speak?" in Marxism and the Interpretation of Culture, ed. Cary Nelson and Lawrence Grossberg (Urbana: University of Illinois Press, 1988), 271–273.

Sigmund Freud, The Ego and the Id, trans. Joan Riviere (London: Hogarth Press, 1927), 3–6.

Sigmund Freud, The Ego and the Id, trans. Joan Riviere (London: Hogarth Press, 1927), 10–14.

Frantz Fanon, Black Skin, White Masks (New York: Grove Press, 1967), 18–22.

Frantz Fanon, Black Skin, White Masks (New York: Grove Press, 1967), 200–205.

Frantz Fanon, The Wretched of the Earth, trans. Constance Farrington (New York: Grove Press, 1963), 148–150.

Frantz Fanon, The Wretched of the Earth, trans. Constance Farrington (New York: Grove Press, 1963), 210–215.

Carl Gustav Jung, The Archetypes and the Collective Unconscious (Princeton: Princeton University Press, 1981), 42–45.

Carl Gustav Jung, The Archetypes and the Collective Unconscious (Princeton: Princeton University Press, 1981), 42–46.

Carl Gustav Jung, The Archetypes and the Collective Unconscious (Princeton: Princeton University Press, 1981), 87–92.

Jacques Lacan, Écrits: A Selection, trans. Alan Sheridan (New York: W. W. Norton, 1977), 1–7.

Jacques Lacan, Écrits: A Selection, trans. Alan Sheridan (New York: W. W. Norton, 1977), 30–34.

Jacques Lacan, The Four Fundamental Concepts of Psychoanalysis, trans. Alan Sheridan (New York: W. W. Norton, 1981), 235–240.

Edward Said, Orientalism (New York: Vintage Books, 1978), 1–3.

Edward Said, Orientalism (New York: Vintage Books, 1978), 7–9.

Ashis Nandy, The Intimate Enemy: Loss and Recovery of Self under Colonialism (Delhi: Oxford University Press, 1983), 3–5.

Jonathan Culler, On Deconstruction: Theory and Criticism after Structuralism (Ithaca: Cornell University Press, 1982), 85–88.